انسان' اللہ کا خلیفہ

خُرّم مُرادؒ

منشُورات

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

نام کتاب : انسان، اللہ کا خلیفہ
مصنف : خرم مراد
طبع اول : جون ۲۰۰۹ء
تعداد : ۲۰۰۰

ناشر منشورات

E-8، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ 54790
042-35252210 - 35252211
042-35252194
SMS ur Address:
0332-003 4909, 0320-543 4909
manshurat@gmail.com / @hotmail.com
www.facebook/manshurat
www.pinterest.com/manshurat

مطبع : سپوتنک پریس، بندر روڈ، لاہور۔
کوڈ : 00139
ISBN : 978-969-9894-503
قیمت : ۱۱ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔اس کے معنی دراصل یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو، یعنی مجھے اور آپ کو، اس زمین میں خلیفہ مقرر فرمایا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعلان اس نے اسی وقت کر دیا تھا جب انسان کی زندگی کا آغاز ہو رہا تھا، اور پہلے انسان کو یہ منصب، خلافت کا منصب، سپرد کیا گیا تھا۔

بظاہر یہ بہت چھوٹا سا جملہ ہے لیکن انسان سے متعلق جو بھی بنیادی سوالات پیدا ہوتے ہیں، جن کو حل کیے بغیر ہم زندگی بسر نہیں کر سکتے، ان سب کا جواب اس چھوٹے سے جملے کے اندر موجود ہے۔ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ اس دُنیا میں ہمارا مقام کیا ہے؟ ہمارے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ہم یہاں کس لیے آئے ہیں؟ اس زندگی کا انجام کیا ہونے والا ہے؟ ــــ یہ وہ سوالات ہیں جو انسان نے ہمیشہ اپنے بارے میں پوچھے ہیں اور ان کے جوابات بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ کبھی اپنی سوچ اور سوجھ بوجھ سے اور کبھی دوسروں سے سن کے۔ ان سوالات کا جواب دیے بغیر کوئی انسان بھی دُنیا میں صحیح معنوں میں زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ بعض سوچ سمجھ کے ان سوالات کا جواب دیتے ہیں، اور بعض بلا سوچے سمجھے جس طرح زندگی بسر کرتے ہیں اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ انھوں نے کوئی نہ کوئی جواب اس سوال کا سوچ رکھا ہے اور اس کا کوئی نہ کوئی جواب قبول کر رکھا ہے۔

اس لحاظ سے اس جملے کا کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، ہماری پوری زندگی، زندگی بسر

کرنے کے طریقے، نظام زندگی، ہماری دعوت اور تربیت کے کاموں اور مرنے کے بعد انجام، سب سے تعلق ہے۔

خلیفہ کا مفہوم

خلیفہ کے معنی ہیں جو بعد میں آنے والا ہو، کسی کی جگہ لینے ولا ہو۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اس کی طرف سے ہے، وہی جگہ لے گا جو اس کی ہے، یا وہ مقام اور اختیارات اس کو حاصل ہوں گے جو اس مقام پر مقرر کرنے والا سپرد کرے گا۔

قرآن مجید نے خلیفۃ اللہ کا لفظ، یعنی انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے صراحت کے ساتھ استعمال نہیں کیا ہے۔ یہ نہیں کہا ہے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے بلکہ صرف یہ کہا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً ط (البقرہ ۲:۳۰) یعنی میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ تاہم، اس بات کو سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہے کہ یہاں اس سے مراد اللہ کا خلیفہ ہی ہے۔ اس کے معنی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ کوئی ایسی چیز وجود میں آرہی ہے جو اللہ کی جگہ لے لے گی، یا اللہ اب نہیں ہے اور وہ اس کی جگہ لے گا، بلکہ اس کے واضح معنی یہ ہیں کہ ایک ایسی چیز وجود میں آرہی ہے جس کے سپرد اللہ کی طرف سے کچھ اختیارات کیے جائیں گے اور کچھ ذمہ داریاں سونپی جائیں گی۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ ان اختیارات کو استعمال کر کے، ان ذمہ داریوں اور فرائض کو ادا کرے جو اللہ کی طرف سے اس کے سپرد کیے گئے ہوں۔

خلیفۃ الرسول کا لفظ بھی جب ہم بولتے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ کوئی دوسرا رسول آگیا ہے، بلکہ رسول کے مقام پر وہ فرائض اور ذمہ داریاں اس کی ہوں گی جو رسالت کے فرائض اور رسول کے سپرد کردہ فرائض کو ادا کرنے کے لیے ضروری ہیں۔ اس لحاظ سے جب اللہ تعالیٰ نے اس بات کا اعلان فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃ، تو اس نے یہ بھی فرما دیا کہ اس تقرر نامے کے اندر کیا شرائط اور عہد ہے جو اپنے نائب سے لیا جا رہا ہے، اور کیا ذمہ داریاں

ہیں جن کا ادا کرنا اس کے لیے ضروری ہے۔ اس کا کام یہی ہے کہ جو اس کو اختیار دیا گیا ہے، جو صلاحیتیں بخشی گئی ہیں اور جو وسائل اس کے سپرد کیے گیے ہیں، اس اختیار، ان صلاحیتوں اور وسائل کو استعمال کرتے ہوئے زمین میں وہ کام کرے، ان شرائط کو پورا کرے، اس عہد کو وفا کرے جو نائب ہونے کی حیثیت سے اس کے تقرر نامے (appointment letter) کے اندر موجود ہے، اور جس کی تشریح اور وضاحت کر دی گئی ہے۔ وہ کیا اختیار اور عہد ہے، یہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے۔

اختیار اور ارادے کی آزادی

سب سے پہلی بات جو اس جملے کے اندر پوشیدہ ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اختیار کی نعمت بخشی ہے، یا ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اختیار کی ذمہ داری دی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے علم کی حد تک اس دُنیا کے اندر کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی مخلوق بہت ہے۔ اس کی اطاعت کرنے والی مخلوق بھی بے انتہا ہے۔ سورج، چاند، آسمان، سب اسی کی تسبیح کرتے ہیں اور اسی کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ پہاڑ، دریا، جانور، چرند پرند، سب اسی کے آگے سجدہ ریز ہیں اور اسی کے مطیع ہیں۔ صرف انسان کو اس نے اختیار دیا ہے۔ اور باقی مخلوق اپنے اختیار سے اطاعت نہیں کرتی بلکہ وہ پیدا ہی اس طرح کی گئی ہے کہ اللہ نے جو مدار مقرر کر دیا ہے اس پر گردش کرے اور جو راستہ بتا دیا ہے اس پر چلے۔ صرف انسان با اختیار ہے اور اس کا کام یہ ہے کہ اپنے اختیار کو استعمال کر کے اپنی زندگی بسر کرے۔

یہ اختیار خلیفہ کے لفظ کے اندر ہی پوشیدہ ہے اور یہ سب سے بڑی ذمہ داری ہے جو اللہ نے انسان کو دی ہے۔ اگر یہ اختیار نہ ہوتا تو وہ خلیفہ نہیں بن سکتا تھا۔ خلیفہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ اپنے اختیار اور ارادے سے سپرد کرنے والے کی سپرد کردہ ذمہ داریوں کو پورا کرے۔ مگر جو ارادہ نہ رکھتا ہو، اختیار نہ رکھتا ہو، وہ تو مجبور محض اور پابند ہے کہ جو کچھ مقرر کر دیا گیا ہے صرف

وہی کرے۔ وہ اس سے بال برابر بھی نہیں ہٹ سکتا۔ سورج، چاند، ستارے اپنے مقام سے بال برابر بھی نہیں ہٹ سکتے لیکن انسان کو اس نے اختیار دیا ہے، آزادی دی ہے اور ارادہ بخشا ہے کہ وہ اپنے ارادے سے، اپنی آزادی اور اختیار سے کام کرے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کا لفظ استعمال کیا تو فرشتوں کو یہ بات سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ کائنات کے ایک حصے ارض و زمین میں اس نام سے جو مخلوق وجود میں آ رہی ہے، جس کو اختیار دیا جا رہا ہے، ان اختیارات کا غلط استعمال بھی ممکن ہے۔ چنانچہ انھوں نے کہا: **اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ** ج (البقرۃ ۲:۳۰)، یعنی یا آپ ایسی مخلوق بنا رہے ہیں جو آپ سے بغاوت کرے گی یا کر سکتی ہے اور زمین میں خون بہائے گی اور فساد مچائے گی۔ لہٰذا فرشتوں نے ابتدا ہی میں اس بات کو پا لیا تھا۔

اختیار کی یہ نعمت اس قدر بڑی ذمہ داری ہے کہ اس کو ایک دوسرے انداز میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

> **اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا۝** (الاحزاب ۳۳:۷۲)
>
> ہم نے اس امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کیا تو وہ اُسے اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوئے اور اُس سے ڈر گئے، مگر انسان نے اُسے اٹھا لیا، بے شک وہ بڑا ظالم اور جاہل ہے۔

اب اس کے لیے یہ راستہ کھل گیا کہ وہ چاہے تو متقی بنے، عادل بنے، اور علم کے راستے پہ چلے، اور چاہے تو ظلم کی روش اختیار کرے یا جہالت کی۔ ہمارے علم کی حد تک یہ اختیار کسی اور مخلوق کے لیے نہیں ہے۔ دراصل جو چیز انسان کو انسان اور پھر خلیفہ بناتی ہے وہ یہی اختیار اور ارادہ ہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں بخشا ہے اور جس کی وجہ سے اس نے ہم کو خلیفہ بنایا ہے۔

یہاں اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ ہم اختیار، مجبوری اور تقدیر کی بحث میں پڑیں، اس لیے کہ جو بات میرے پیش نظر ہے اس کا کوئی تعلق اس بحث سے نہیں ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ جو کام ہم کرنا چاہیں اس کو روکنے والی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اگر ہم جھوٹ نہ بولنا چاہیں تو کوئی زبردستی ہماری زبان سے جھوٹ نہیں بلوا سکتا۔ اسی طرح ہمارے سامنے کوئی ایسی قوت نہیں ہے جو ہم کو سچ بولنے پر مجبور کر دے۔ یہ ہمارا اپنا فیصلہ ہوتا ہے۔

برعظیم کے ایک عالم کے بقول اختیار اتنی واضح اور صاف بات ہے کہ اگر آدمی لاٹھی سے کسی جانور کو مارے تو جانور بدلہ لینے کے لیے لاٹھی کی طرف نہیں جاتا بلکہ اس انسان کی طرف جاتا ہے جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہو۔ وہ بھی جانتا ہے کہ لاٹھی تو مجبورِ محض ہے، اس کا مسئول اور جواب دہ انسان ہے۔ لاٹھی تو بے جان لکڑی ہے۔ اصل میں اس ہاتھ نے اس کو مارا ہے۔ اگر کوئی بلی یا کتے کو مارے تو وہ لپک کر حملہ آور کے اوپر حملہ کریں گے۔ وہ بھی اس بات کو جانتے ہیں کہ اصل اختیار تو انسان کو دیا گیا ہے۔

اس اختیار سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس اختیار ہی پر پورا دین، زندگی اور خلافت قائم ہے۔ اگر ہم غور کریں تو دین کے بڑے بڑے اہم اصول اسی بنیاد پر قائم ہیں۔ اس بات کو اگر ہم سمجھ لیں تو زندگی بسر کرنے کا راستہ بڑا صاف اور آسان ہے۔

مسئولیت اور جواب دہی

تربیت کے ضمن میں اس سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دراصل تربیت کی ذمہ داری ہماری اپنی ہے اور یہ بڑا اہم اصول ہے۔ نیکی اور بدی کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔ اس لیے کہ مسئول بھی ہم ہیں، اجر بھی ہمیں ملے گا، اور عذاب بھی ہمارے اوپر ہوگا۔ کوئی دوسرا ہماری جگہ وہ کام نہیں کر سکتا جو کام کرنے کی ذمہ داری ہمارے سپرد کی گئی ہے۔ دعاؤں سے وہ کام نہیں ہو سکتا جو کام عملاً ہمارے کرنے کا ہے۔ اپنی اصلاح کا کام ہمارا اپنا ہے اور ہمیں خود ہی اس کو انجام دینا پڑے گا۔

اگر ہم آگے بڑھ کر اپنی زندگی کی باگ اپنے ہاتھ میں نہ لیں اور اس پر خود سواری نہ کریں، نیکی اور بھلائی کی طرف اسے خود نہ موڑیں تو کوئی دوسرا اس کام کو نہیں کر سکتا۔ شیطان کو بھی اللہ نے یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ زبردستی انسان کو برائی کے راستے پر لے جائے۔ قیامت کے روز وہ کھڑا ہو کر صاف کہہ دے گا:

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَاۤ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَاۤ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ

(ابراھیم ۱۴:۲۲)

اور جب فیصلہ چکا دیا جائے گا تو شیطان کہے گا "حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے جو وعدے تم سے کیے تھے وہ سب سچے تھے اور مَیں نے جتنے وعدے کیے ان میں سے کوئی بھی پورا نہ کیا۔ میرا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ اپنے راستے کی طرف تم کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت پر لبیک کہا۔ اب مجھے ملامت نہ کرو، اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔ یہاں نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری۔

اللہ تعالیٰ نے انبیا کو بھی اگر دعوت کی ذمہ داری دی تو یہ بات واضح کر دی کہ تم جس کو چاہو اس کو حق کی راہ پر نہیں لا سکتے۔ جو چاہے گا ایمان لائے گا، اور جو چاہے گا کفر کا راستہ اختیار کرے گا۔ آدمی کا امتحان ہی اس بات کا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے کس راہ کو اختیار کرتا ہے۔ اگر زبردستی لوگوں کو حق پر لانا ہوتا تو اللہ سب انسانوں کو ایک ہی راستے پر جمع کر لیتا اور جس طرح چاند، سورج اور ستارے اللہ کی اطاعت پر مجبور ہیں اسی طرح انسان بھی اطاعت پر مجبور ہو جاتا۔ درحقیقت ایمان، تقویٰ اور تربیت کی راہ ہر آدمی اپنے ارادے اور اپنی کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ ہر انسان کو خود یہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ اللہ نے یہ اختیار انبیا کو بھی نہیں دیا کہ وہ

کسی کو زبردستی ایمان کی راہ پر لے آئیں۔ قرآن نے بار بار اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔

یہ وہ سبق ہے جو ہمیں یاد رکھنا چاہیے۔ اگر انسان خلیفہ ہے تو اس کو اختیار حاصل ہے۔ اسی لیے وہ جواب دہ بھی ہے۔ چاند، سورج اور درخت جواب دہ نہیں ہیں لیکن وہ جواب دہ ہے۔ اگر وہ جواب دہ ہے تو اس کو خود ہی اپنی جواب دہی کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ کوئی دوسرا اس کی جگہ کام نہیں کرسکتا، نماز نہیں پڑھ سکتا، انفاق نہیں کرسکتا یا اس کی جگہ اقامت دین کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ وہ اس کو اپنے ارادے اور اپنے اختیار سے خود کرنا ہوگا۔

جواب دہی کا ایک اہم پہلو

اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو کام ہمارے اختیار سے باہر ہے، اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسئول نہیں کیا۔ جو چیز بھی ہمارے بس میں نہیں، جہاں ہم مجبور ہیں، اس کے لیے ہم جواب دہ بھی نہیں ہیں۔ اس کے لیے ہم قابل گرفت نہیں ہیں۔ لہٰذا ایسی چیزوں کے پیچھے پڑے رہنا جو ہمارے اختیار میں نہیں ہیں، ان کی خاطر اپنی منزل کھوٹی کرنا، یہ بیوقوفی کا سودا ہوگا۔ البتہ ان کی آدمی خواہش کرسکتا ہے اور ان کے لیے کوشش بھی کرسکتا ہے۔ مثال کے طور پر دین کو قائم کرنا، یہ ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اس کے لیے ہم جواب دہ بھی نہیں ہیں۔ یہ سوچنا کہ دین لازماً قائم ہو، اس روش کے نتیجے میں ہم اپنی منزل کھوٹی کریں گے اور اپنی زندگی خراب کریں گے۔ دین کو قائم کرنے کے لیے دعوت دینا، پیسہ خرچ کرنا، وقت دینا یہ ہمارے بس میں ہے، اختیار میں ہے، اس کے لیے ہم جواب دہ ہوں گے۔ نماز پڑھنا یہ ہمارے بس میں ہے۔ نماز میں خشوع ہو، اس کے لیے کوشش کرنا، یہ ہمارے بس میں ہے لیکن اس کو حاصل کرلینا، ہمارے بس میں نہیں ہے۔ اگر ہم اس کے لیے کوشش کریں اور یہ حاصل نہ ہو تو ہم جواب دہ اور قابل مواخذہ نہیں ہیں۔ اس کے پیچھے ہم نماز ہی چھوڑ دیں، نماز ہی خراب کردیں تو یہ ہماری حماقت ہوگی۔ یہ اختیار کے چند نتائج ہیں جو میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں۔

آزادی اور جبر

اسی سے انسان کی پوری زندگی متعین ہوتی ہے۔ اسی لیے انسان کو آزاد رہنا چاہیے اور جو انسان کی آزادی کو سلب کرے، اس کے اس حق کو سلب کرے، اس کو مجبور کرے، اس پر جبر کرے، اس کو غلام بنائے، قرآن مجید کی نگاہ میں یہ بہت بڑا جرم ہے۔ قوم عاد کا جرم بھی یہی تھا اور فرعون کا بھی۔ فرعون کا جرم یہ تھا:

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيِ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَo (القصص ۲۸:۴)

واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔

جب اس نے اپنے آپ کو سب سے بالاتر قرار دیا، لوگوں کو دبالیا، انھیں غلام بنالیا تو اللہ کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ اس لیے کہ انسان اگر آزاد نہیں ہے تو وہ اللہ کی بندگی میں زندگی کیسے گزار سکتا ہے۔ لہٰذا انسان کو غلام بنانا، مجبور کرنا، اس کا حق سلب کرنا، اس کی دین میں کوئی گنجایش نہیں ہے۔ یہاں تک کہ بلاعدالتی کارروائی کے انسان کو اس کی آزادی سے محروم کر دینا، اس کو جیل میں ڈال دینا، اس کی بھی کوئی گنجایش اسلام میں نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے۔ عراق فتح ہوگیا تھا اور وہاں پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔ فوج کشی ہوئی تھی، مسلمان نئے نئے گئے تھے، ہر قسم کے جاسوس تھے اور تخریبی کارروائیاں بھی جاری تھیں۔ ایک شخص نے آ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اب تو لوگ بغیر مقدمہ چلائے اور ان کا جرم ثابت کیے بغیر گرفتار کیے جارہے ہیں۔ اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اسلام میں کسی انسان کو بغیر عدل کے گرفتار نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ایک اور گورنر نے ایک شخص کو بغیر جرم

ثابت کیے سزا دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو ان کے ماؤں نے آزاد جنا ہے، ان کو تم نے کب سے غلام بنالیا۔

غلامی خلیفہ کے منصب کے لیے موزوں ہی نہیں ہے۔ اس لیے انسان کی آزادی، اس کے ضمیر کی آزادی، اس کی راہ پر چلنے کی آزادی پر جو پابندی لگائے گا وہ دراصل ظلم کرے گا۔ انسان اگر اپنے اختیار سے غلط راستے پر جاتا ہے اور معاشرے میں کوئی گڑبڑ نہیں کرتا، تو اسے بھی نہیں روکا جائے گا۔ مسلمان جہاں بھی گئے انھوں نے انتخاب کا حق دیا کہ اپنی آزاد مرضی سے عیسائی یہودی یا مجوسی بن کر رہو یا اسلام قبول کرلو۔ البتہ نظامِ حق کا قائم ہوگا۔ یہ نہیں کہا کہ تلوار سر پر ہے اور کہا کہ اسلام قبول کرو۔ ان مسلمانوں میں جنھوں نے حق کو غالب کیا، اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

ہر فرد اعمال کا ذمہ دار ہے

اس کے بعد دوسری چیز جو اسی خلیفہ کے لفظ کے اندر پوشیدہ ہے اور اسی اختیار سے نکلتی ہے، وہ یہ ہے کہ کوئی آدمی بھی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ط (فاطر ۳۵:۱۸) یہ اصول بھی قرآن مجید نے کہا کہ ابدی اصول ہے۔ یہ حضرت ابراہیم کے زمانے سے ہی وحی میں موجود رہا ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے کہ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ کسی دوسرے کو اعمال کا ذمہ دار قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کسی کو کسی دوسرے کے اعمال کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ دین، قانون، ریاست اور نامعلوم کتنے قوانین اور احکام ہیں جو اسی اصول پر قائم ہیں۔ یہ چیزیں بھی اختیار اور ارادے سے ثابت ہوتی ہیں۔

امین ہونے کی حیثیت

خلیفہ ہونے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دُنیا کے اندر جو کچھ بھی انسان کے پاس ہے،

وہ اس کا جسم ہو، اس کی صلاحیتیں ہوں، اس کا دل و دماغ ہو، اس کا مال ہو یا زمین، کھیت سے اگنے والی کھیتی ہو، یا مال تجارت، یا کارخانہ ـــــ کوئی بھی چیز اس کی ملکیت نہیں ہے۔ وہ کسی بھی چیز کا مالک نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز جو اس کے تصرف میں ہے، اس کی حیثیت نائب کی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اس چھوٹے سے جملے کے اندر اتنی بڑی بات پوشیدہ ہے کہ اس کی حد اور انتہا کو پانا آدمی کے لیے مشکل ہے۔ فکر و عمل کا اس سے بڑا کوئی انقلاب نہیں ہوسکتا کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ کوئی بھی چیز اس کی ملکیت نہیں ہے۔ ہر چیز امانت ہے۔ میرا جسم بھی امانت ہے، میری دولت بھی امانت ہے اور کائنات کی جو بھی نعمتیں میرے تصرف میں دی گئی ہیں، وہ سب بھی امانت ہیں۔

یہاں تک تو بہت سے لوگ پہنچ گئے کہ آدمی کی ملکیت معاشرے کے اندر بڑے پن اور فساد کا ذریعہ ہے، لہٰذا نجی ملکیت ختم کردو اور ہر چیز ریاست کے سپرد کردو۔ ریاست کو مالک بنایا جائے یا انسان کو، فساد تو اسی طرح قائم رہتا ہے۔ لیکن انسان کے خلیفہ ہونے کے تصور سے اس فساد کو بھی مٹا دیا گیا اور اس کے نتیجے کوئی نیا فساد بھی نہیں پیدا ہوا۔ انسان کے ہاتھ سے کوئی چیز نہیں چھینی گئی، اس کا کھیت نہیں چھینا گیا، اس کی دوکان نہیں چھینی گئی، اس کا گھر نہیں چھینا گیا، صرف اس کا ذہن بدل دیا گیا کہ اس میں سے کوئی چیز بھی تمھاری ملکیت نہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرۃ ۲:۲۸۴)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی ملکیت ہے۔

اس چھوٹی سی بات نے انسان کی زندگی کو فساد کے راستے سے ہٹا کر صلاح کی راہ پر ڈال دیا۔ اب میری زبان ہو یا میرے ہاتھ پاؤں، میری رشتہ داریاں ہوں یا دوست احباب، میری دکان ہو یا کھیت یا میرا سرمایہ یا وقت، ان میں سے کسی چیز کو مجھے مالک کی طرح استعمال کرنے کا حق نہیں ہے۔ مالک جس طرح چاہے کرے، مایشاء کا اختیار مجھے نہیں ہے، یہ اختیار تو اسی

کو ہے جو مالک ہے۔ میرا کام تو یہ ہے کہ جو میرے مالک نے کہہ دیا، اسی کے مطابق میں استعمال کروں۔ خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ ہم نائب ہیں۔ پوری کائنات ہمیں دی گئی ہے، اللہ نے اسے ہمارے لیے مسخر کیا ہے، اللہ کی طرف سے مسخر کی گئی ہے، فرشتوں نے بھی خلیفہ کو سجدہ کیا ہے اور فرشتے ہی اللہ کے حکم سے اس کائنات کی تدبیر کرتے ہیں۔ اس کائنات میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے، ہر جگہ فرشتے اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں۔ اس کے حکم کے خلاف نہیں کرتے۔ (النحل ۱۶:۵۰)۔ لیکن فرشتے مخلوق ہیں، انسان کے آگے مسخر اور سجدہ ریز ہیں۔ ساری قوتیں انسان کے لیے مسخر کی گئی ہیں البتہ انسان خود اللہ کا نائب اور اس کے سامنے جواب دہ ہے۔

اگر کوئی انسان صرف ایک دفعہ اس بات کو پالے تو تربیت کے، دعوت کے، معاشرے کے سارے مسائل کا حل اس کے اندر موجود ہے۔

کوئی چیز بھی انسان کی ملکیت نہیں ہے۔ وقت، مال و دولت، جسم و جان، صلاحیتیں، سب کچھ امانت ہیں اور وہ امانت ادا ہونی چاہیے۔ جو کچھ بھی کیا جائے، اللہ کے طے کردہ اصولوں کے مطابق کیا جائے یعنی جس طرح امانت دینے والے نے طے کر دیا ہے۔ جب خلیفۃ اللہ کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ہیں کہ اس کو اللہ کی طے کردہ راہ کے اوپر استعمال ہونا چاہیے۔ اگرچہ یہ زمین و آسمان اس نے مسخر کر کے ہمارے حوالے کر دیے ہیں لیکن آسمان سے پانی برسے، زمین سے کھیتی اگے، کارخانے لگیں، جو کچھ بھی ہے اسی کا ہے، اس کا دیا ہوا ہے، یہ ہماری ملکیت نہیں ہے۔ آدمی کہتا ہے کہ یہ میں نے کیا ہے، یہ میری کھیتی ہے، یہ میرا کارخانہ ہے، یہ میرا مال ہے ___ میرا کا لفظ تو آدمی ویسے ہی استعمال کرتا ہے، اس لیے کہ اس کا چلن ہو گیا ہے۔ مگر یہ حقیقت سے بہت دور ہے۔ ان میں سے کوئی بھی چیز اس کی نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اسے کھول کھول کر بار بار بیان کیا ہے:

اللّٰہِ الَّذِیۡ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ ط (ابراھیم ۱۴:۲)

زمین و آسمان کی ساری موجودات کا مالک اللہ ہے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (البقرة ۲:۲۸۴)

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ کی ملکیت ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط (المائدہ ۵:۴۰)

کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی سلطنت کا مالک ہے؟

اسی کا حکم چلتا ہے، اسی کی ملکیت ہے، دُنیا میں ایک انچ زمین بھی ایسی نہیں ہے اور ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جو اس کی ملکیت اور اس کے حکم سے باہر ہو، اور انسان بھی اس کے اندر شامل ہے۔ وہ بھی زمین آسمان کی طرح مخلوق ہے۔ جس نے بھی اس بات کو پالیا کہ خلیفہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ میں امین ہوں، مالک نہیں، تو اپنی زندگی کو سدھارنے میں، اپنی تربیت میں، اپنے معاشرے کو چلانے میں، اپنی سیاست میں، اپنی معیشت میں، ہر جگہ اس ایک چیز سے بے شمار اصول نکلیں گے اور بے شمار احکام وضع کیے جائیں گے۔

جب یہ طے ہو گیا کہ ہر چیز میں، میں امین ہوں اور مجھے اس کی مرضی کے مطابق اس میں تصرف کرنا ہے تو پھر تیسرا اصول یہ طے ہو گیا کہ وہ یہ بتائے گا کہ ان چیزوں کو استعمال کرنے کا صحیح راستہ کیا ہے۔ چنانچہ تقرر کرتے ہی اس نے یہ واضح کر دیا کہ جو میں ہدایت دوں اس کی پیروی کرنا:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ ۲:۳۸) [1]

حضرت آدم علیہ السلام کو زمین میں اتارتے ہوئے اس نے کہا کہ جب میری طرف سے ہدایت آئے تو اس کی پیروی کرنا۔ یہاں اس نے حکم نہیں دیا۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے بیان کا انداز ہے۔ بیانیہ انداز میں اس ہدایت کو بیان فرمایا گیا ہے کہ کوئی مانے گا اور کوئی نہیں مانے گا

لیکن جس نے اس کی پیروی کی وہ دُنیا کے اندر بھی اور آخرت میں بھی خوف اور غم سے محفوظ رہے گا، جو اندیشے ہیں ان سے محفوظ رہے گا اور جو حسرتیں اور غم ہیں ان سے بھی بچا رہے گا۔ دراصل یہ عہد ہے، یہ تقرر نامہ جاری ہوا ہے۔ اس کے اندر امین، خلیفہ کے سپرد جو ذمہ داری ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جو میری ہدایت ہو اس کے پیچھے چلنا اور اس کی پیروری کرنا۔ یہ اس کے اندر مضمر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی کمزوریاں اور امتحان کی نوعیت کو اجاگر کرنے کے لیے آدم علیہ السلام کو آزمایش میں ڈالا تو یہ فرمایا:

وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (الاعراف ۷:۱۹)

مگر اس درخت کے پاس مت جانا۔

یہ ایک ہدایت ہے اور یہی ہدایت ہے جو اصل چیز ہے، یعنی اس ہدایت کی پیروی اور اطاعت کی جائے۔ یہی امتحان ہے کہ آدمی اس کا کہنا مانے اور اس کے کہنے پر چلے اور اس کے راستے پر چلے۔ یہ تیسری بات ہے کہ جو خلیفہ کے اس لفظ کے اندر پوشیدہ اور مضمر ہے۔

سجدہ اور اطاعت

چوتھی بات جو خلیفہ کے اندر مضمر ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو اپنا خلیفہ بنایا اور حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے انسان کے طور پر مقرر کیا تو اس نے فرشتوں کو یہ حکم دیا کہ تم انسان کے، آدم کے آگے سجدہ کرو۔ سجدے کا لفظ پیشانی ٹیکنے کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ فرشتوں کا وجود کیسا ہے؟ وہ انسان کی طرح پیشانی رکھتے ہیں یا نہیں رکھتے، اور انھوں نے انسان کو سجدہ کیسے کیا؟

سجدے کا لفظ اللہ کے آگے مسخر ہونے یا کسی کے آگے مطیع ہونے کے لیے بھی استعمال

ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ o (الرحمٰن ۵۵:٦)

اور تارے اور درخت سب سجدہ ریز ہیں۔

گویا زمین و آسمان میں ہر چیز اس کو سجدہ کرتی ہے۔ چاند، سورج، تارے اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں۔ یہ سب جھک کے یا پیشانی ٹیک کے سجدہ نہیں کرتے بلکہ یہ اللہ کے حکم کے پابند ہیں۔ لہٰذا فرشتے انسان کے آگے سجدہ ریز ہو گئے، کے معنی یہ ہیں کہ انسان اگر نیکی کی راہ چلے گا تو اس کے لیے نیکی کی راہ پر چلنا آسان ہو گا اور وہ اس کے لیے سہولت اور آسانی کی راہ ہو گی۔ **فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى o** (الیل ۹۲:۷)، یعنی انسان کو بنایا ہی ایسا ہے کہ نیکی کی راہ پر چلنا اس کے لیے آسان ہو اور بدی کی راہ پہ چلے گا تو اپنے آپ سے لڑنا پڑے گا اور دُنیا کے اندر بھی بے شمار فساد پیدا ہو گا۔ اس لیے دُنیا کے اندر اصل چیز مادی قوتیں نہیں ہیں بلکہ وہ اخلاقی اورر روحانی اقدار ہیں جن کی نمایندگی فرشتے کرتے ہیں۔ اصل چیز جو انسان کا مقصود بن سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ جس طرح فرشتوں نے انسان کے آگے سجدہ کیا، اپنے رب کی اطاعت کی، اسی طرح انسان درہم و دینا کا بندہ نہ بنے، کھیت کھلیان یا کارخانے کا بندہ نہ بنے۔ اور نہ اپنے جیسے انسانوں کا بندہ بنے، کسی کے آگے سجدہ نہ کرے، بلکہ اگر وہ سجدہ کرے تو اسی کو کرے جس نے اس کو اپنا نائب بنایا ہے۔ اسی کے آگے مسخر ہو، اسی کے پیچھے چلے، اسی کے آگے جھکے۔ اصل چیز اطاعت ہے۔ اس کے معنی ہیں کہ اصل چیز اخلاقی اقدار، فضائل و اخلاق ہیں نہ کہ دولت اور مادی اشیا۔

اللہ نے جب انسان کو خلیفہ بنایا تو فرمایا کہ ہم نے تمھیں دُنیا کے اندر ایک مدت کے لیے بھیجا ہے۔ دُنیا بھی ایک مادی شے ہے۔ یہاں پر کارخانے، درخت، کھیت کھلیان اور سونا چاندی، ہر چیز ہے۔ لیکن اس سے فائدہ اٹھانا ایک مدت تک کے لیے مقرر کر دیا گیا ہے۔ یہ

مدت مقرر ہے۔ مدت ختم ہو جائے گی تو ہر چیز ختم ہو جائے گی۔ اس کے معنی ہیں کہ ڈوبنے والی چیز، ختم ہونے والی چیزیں آدمی کا مقصود و مطلوب نہیں بن سکتی ہیں۔ ان کے پیچھے دوڑنا انسانی تگ و دو کا متعدد نہیں ہو سکتا۔ تگ و دو کی بنیاد تو وہی چیزیں بن سکتی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں اور جس کی نمایندگی وہی چیزیں کر سکتی ہیں جو اللہ کو پسند ہیں اور جس کی نمایندگی اس کے نور کے بنے ہوئے فرشتے کرتے ہیں۔

انسان کا مقام

اس لفظ کے اندر یہ مفہوم پوشیدہ ہے کہ جو مخلوق اللہ کی خلافت کے منصب پر فائز ہے، اس کا احترام اور تکریم سب سے زیادہ ہے۔ اللہ نے جس انسان کے آگے فرشتوں کو بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا، جس کے بارے میں فرمایا: **لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ** (بنی اسرائیل ۱۷:۷۰)، یعنی ہم نے ان کی تکریم کی، ان کو کرامت کے مقام پر فائز کیا لہٰذا انسان کی تکریم، اس کی عزت، اس کا شرف، سب سے زیادہ محترم ہے۔

اگر غور کریں تو اس بات کے اندر بھی کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ اگر انسان اپنے کرامت نفس سے واقف ہے، اپنے شرف اور مقام کو پہچانتا ہے تو اس کو اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہیں کرنا چاہیے۔ جب آدمی دُنیا کے پیچھے دوڑتا ہے تو اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔ اس دُنیا کے پیچھے جو عارضی ہے۔ جب وہ اس کے پیچھے اپنے آپ کو ڈالتا ہے، اس کے آگے سجدہ کرتا ہے، جب وہ عبدالدنیا، عبدالدرھم بنتا ہے تو تذلیلِ نفس کرتا ہے۔ اللہ نے تو اس کو عزت و احترام کا مقام دیا، اس کو اپنا خلیفہ بنایا، اس کا اکرام کیا اور وہ اپنی تذلیل کرے اور اپنے آپ کو ذلیل مقام پہ لے آئے۔

اسی طرح انسان دُنیا کی خاطر کسی اور کی غلامی بھی اختیار نہیں کر سکتا، نہ اپنے جیسے انسان

کی۔ انسان تو اس کے اپنے برابر کی مخلوق ہے۔ ہمارے علم کی حد تک اس کے علاوہ اس کے برابر کی اور کوئی مخلوق دُنیا میں نہیں پائی جاتی۔ لیکن جب انسان اپنے ہی جیسے انسان کی غلامی اختیار کرے، اس کے کہنے پر بلاسوچے سمجھے چلے، اس کے معنی یہ ہیں کہ اس نے اپنی عزت نفس کا پاس نہیں کیا۔ اس کے بغیر آدمی غرور اور کبر کی بیماری میں مبتلا ہوسکتا ہے۔ وہ اللہ کے سوا کسی کے آگے ذلیل نہ ہو، کسی کے آگے نہ جھکے، کسی کی بلاسوچے سمجھے اطاعت نہ کرے، یہ عزت نفس ہے۔

دوسروں کی عزت نفس کا لحاظ بھی اسی کے اندر شامل ہے۔ یہ احساس کہ اگر میں بھی خلیفہ ہوں، ہر انسان دُنیا کے اندر خلافت کے منصب پر فائز ہے، ہر ایک کے اندر اللہ نے اپنی روح پھونکی ہے، گھر کے اندر بیوی بچے ہوں یا ایک عام بے پڑھا جاہل دیہاتی، سب کے اندر اللہ کی روح ہے، وَ نَفَخۡتُ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِيۡ (ص ۳۸:۷۲)، سب اللہ کی خلافت کے منصب پر فائز ہیں، لہٰذا ہر ایک کی عزت، ہر ایک کی جان اور مال برابر کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ انسان کی عزت، جان اور مال دوسرے مسلمان کے ہاتھ سے محفوظ ہے۔ مسلمان کی جان، مال اور عزت تو اس سے بڑھ کر محترم ہے۔ جس نے ایک انسان کو مارا، گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر ڈالا۔ جس نے انسان کی عزت پر حملہ کیا، گویا اس نے تو بہت بڑا جرم کیا۔ انسان کی عزت، انسان کا مال، وہ کوئی بھی ہو، وہ نوکر ہو یا کوئی گنوار، وہ آقا ہو یا ملازم، ہر ایک کی عزت ہے اور اس کی عزت کا خیال رکھنا، اس بات کا تقاضا ہے کہ انسان خلیفہ ہے۔

خلافت کا استحقاق

اس سے اگلی بات جو اس سے نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ اس خلافت میں سب برابر کے شریک ہیں۔ کوئی انسان جبر وتشدد، ظلم یا اپنی طاقت کو استعمال کر کے دوسرے انسانوں کا آقا نہیں بن سکتا۔ اس لیے کہ سارے انسان برابر کے شریک ہیں۔ خاندان اور ملک کا نظام چلانے کے لیے جو اصول اسلام نے دیے ہیں وہ اسی بنیاد پر یعنی مساواتِ انسانی پر قائم ہیں۔ قانون اسی پر قائم ہے۔

قصاص ہر ایک سے لیا جائے گا۔ کوئی گورنر یا صدر بھی اگر کسی انسان کے ساتھ ظلم کرے گا، خواہ وہ حقیر ترین انسان ہی کیوں نہ ہو، تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ خلیفۂ وقت بھی اگر کسی پر زیادتی کرے گا، تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ تمام انسان اس لیے برابر ہیں کہ سب اللہ کے خلیفہ ہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ملک کو چلانے کے لیے سب کی رائے اسی لیے برابر ہے کہ سب اللہ کے خلیفہ ہیں اور سب کے مشورے ہی سے ملک کا نظام چل سکتا ہے۔ یہ سارے اصول اللہ کے خلیفہ ہونے سے ہی نکلتے ہیں اور اس خلافت میں سب برابر کے شریک ہیں۔

بہتری کے لیے کام

اللہ نے انسان کو زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ لہٰذا زمین کو بنا اور سنوار کے رکھنا بھی اس کی ذمہ داری ہے۔ یہ زمین جیسی بھی ملی ہے، اس کو بہتر بنانا، انسان کی زندگی کو آرام دہ بنانا، کائنات مسخر کرنا، انسان کی زندگی میں سہولتیں پیدا کرنا، تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا، یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے پر جنت کی بشارت یونہی نہیں ہے۔ اس لیے دی گئی ہے کہ زمین پر زندگی بسر کرنے کو آسان کرنا، اور تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانا بھی خلافت کی ذمہ داری ہے۔ جو چیز سپرد کی گئی ہے وہ زمین ہے اور زمین میں امن و سکون رکھنا، اور انسانی زندگی کو عدل و انصاف سے بھر دینا اور مادی طور پر بھی انسان کی زندگی کے اندر سہولت پیدا کرنا اور اس کو آسان بنانا، خلافت کی ذمہ داری اور خلیفہ کے منصب کا تقاضا ہے۔

خدا کے سامنے جواب دہی

اس ضمن میں آخری بات یہ ہے کہ خلیفہ کو اختیار دیا گیا ہے اور کچھ امانت دی گئی ہے، اس لیے اس کو لازماً مسئول ہونا چاہیے، جواب دہ ہونا چاہیے، اور وہ جواب دہ ہے۔ **خلیفة اللّٰہ فی الارض** سے ہی یہ بات نکلتی ہے کہ وہ اللہ کے سامنے جواب دہ ہے اور مسئول ہے۔ اور وہ اس لیے

مسئول ہے کہ وہ آزاد ہے، اس لیے مسئول ہے کہ وہ امین ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اپنی پوری زندگی کے بارے میں اور سپرد کی گئی تمام امانتوں کے بارے میں جواب دہی کرنا پڑے گی: ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ (التکاثر ۱۰۲:۸)، یعنی اس دن تم سے لازماً ہرنعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ یہ سوال اختیار کی نعمت، عمر کی نعمت، وقت کی نعمت، مال کی نعمت، عقل کی نعمت، ذہانت کی نعمت، ہاتھ اور پاؤں کی نعمت، پانی کی نعمت اور کھیت و غلے کی نعمت کے بارے میں ہوگا۔ یہ سوال اس لیے کیا جائے گا کہ تم کو اختیار دیا گیا تھا اور تم کو مسئول بنایا گیا تھا، تم کو نائب بنایا گیا تھا، لہٰذا آخرت کی جواب دہی بھی اسی سے ثابت ہوتی ہے۔

خَلِیْفَةَ اللّٰہ فِی الْاَرْض کہنے میں تو ایک چھوٹا سا جملہ ہے لیکن اس کے اندر دُنیا میں ہمارا مقام، ہماری ذمہ داریاں، ہمارے فرائض، زندگی کا آغاز و انجام، زندگی بسر کرنے کے اصول، سب اسی سے نکلتے ہیں، اور اسی لیے یہ بات قرآن مجید نے آغاز ہی میں فرما دی ہے۔ ابھی سورۂ بقرہ شروع نہیں ہوتی اور ہدایت کے اصول بیان نہیں ہو چکے ہوتے اور بندگی کی دعوت دیے ہوئے چند آیات ہی گزری ہوتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ بتا دیتا ہے کہ بندگی اسی لیے لازم ہے، اور یہ آسمان جو چھت بنایا گیا ہے اور زمین جو فرش بنائی گئی ہے اور سارا رزق جو دیا گیا ہے اور جنت اور جہنم جو بنائی گئی ہے، یہ سب اس لیے کہ ہم نے تم کو خلیفہ بنایا ہے۔ اگر اس کے بعد ہم نے ہدایت کی نعمت دی اور اس کو پہنچانے کی ذمہ داری دی تو وہ بھی اسی لیے ہے۔ بنی اسرائیل کا ذکر شروع ہوتا ہے تو وہ بھی اسی لیے ہے۔ بالکل بیچ میں لا کر یہ فرما دیا گیا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط (البقرة ۲:۳۰)، یعنی میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ یہ بھی اسی لیے فرمایا گیا کہ فساد، بغاوت اور نافرمانی کے راستے سے بچو اور جو فرائض سپرد کیے گئے ہیں ان فرائض کو ادا کرو۔

اس چھوٹے سے جملے میں ہمارے لیے ہدایت کا بڑا سامان موجود ہے۔ اس سے تربیت

کے لیے، حکومت کے لیے، دعوت کے لیے، معاشرے کے لیے، خاندانی زندگی اور اخلاق کے لیے، سب کے لیے اصول نکلتے ہیں اور رہنمائی کا سامان ہے۔ ان پر ہمیں غور کرنا چاہیے اور عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

❖❖❖